اتحادِ امت کی ایک اہم بنیاد- داعیانہ کردار کی بحالی

محمد رضی الاسلام ندوی

اختلاف وانتشار موجودہ دور میں امتِ مسلمہ کی شناخت بن گیا ہے۔ یہ اختلاف عقائد کی بنیاد پر بھی ہے اور رسم ورواج کی بنیاد پر بھی۔ مختلف فقہی مسالک سے ان کی وابستگی نے بھی ان کے درمیان اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ سیاسی تنازعات نے بھی ان کے دلوں میں کدورتیں پیدا کر دی ہیں اور وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یہ اختلافات ہی ان کو زوال وانحطاط کے کھڈ میں گرادینے، انھیں ناکامی سے دوچار کرنے اور ان کی ہوا اکھاڑ دینے کے لیے کافی تھے، مزید ستم یہ ہوا کہ ان کے دشمن ان کے خلاف متحد ہو گئے ہیں اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادینے کے لیے رات دن ایک کیے ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال ہمیں عالمی سطح پر نظر آتی ہے اور ملکِ عزیز بھی یہی منظر نامہ پیش کر رہا ہے۔ عالمِ عرب ان دنوں میدانِ جنگ بنا ہوا ہے۔ بڑی طاقتیں تیسری عالمی جنگ کی تیاری میں ہیں، بگل بجاچاہتا ہے، مہرے سیٹ کر دیے گئے ہیں۔ ملک شام میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ دیگر مسلم ممالک میں شیعی سنی تنازعہ عروج پر ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ کب یہ چنگاری شعلۂ جوالہ بن جائے اور پوری مسلم دنیا کو جلا کر خاکستر کر دے۔ ہندوستان میں بھی امتِ مسلمہ، جو پہلے ہی سے مختلف دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی، اب غیروں نے اسے مسلکی بنیادوں پر مزید تقسیم کرنے کی منصوبہ بندی کر لی ہے اور اس کا کھلم کھلا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ امت اپنے دشمنوں کی سازشوں سے بے پرواان کے جال میں پھنستی جارہی ہے اور آپس میں دست و گریبان اور کشت وخون کا بازار گرم کیے ہوئے ہے۔ امت مسلمہ کو اتحاد واتفاق کا حکم دیا گیا تھا اور اختلاف و تفرقہ سے بچنے کی تاکید کی گئی تھی: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: 103) انھیں 'جسدِ واحد' سے تشبیہ دی گئی تھی، جس کے کسی ایک حصے میں کانٹا چبھے تو پورا بدن بے خوابی، بخار اور درد واذیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم) انھیں ہوشیار کیا گیا تھا کہ اگر تم باہمی تنازعات سے نہیں بچے تو تمھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْہَبَ رِیْحُکُمْ (الانفال: 46) لیکن ان صریح ہدایات و تنبیہات کو امت کی اکثریت نے پیش نظر نہیں رکھا، چنانچہ ان کے عواقب سے دوچار ہوئی اور ان کے لازمی اثرات ظاہر ہوئے۔ امت کا فریضۂ منصبی دعوت الی اللہ (انسانوں کو اللہ کی طرف بلانا) ہے۔ اقامتِ دین، اظہارِ دین، شہادتِ حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ اس کی مختلف تعبیریں ہیں۔ مسلمانوں کو 'خیر امت' کے امتیازی لقب سے مشرّف کرتے ہوئے انھیں ان کی اسی ذمے داری کی یاد دہانی کرائی گئی تھی: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران: 110) "دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" امت ایک عرصہ تک اپنے اس فریضۂ منصبی کو ادا کرتی رہی۔ اس نے راہِ حق سے بھٹکے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا اور انھیں سیدھی راہ دکھائی۔ جن سرکش انسانوں نے اپنے جیسے انسانوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، انھیں للکارا، ان کی خدائی کو

چیلنج کیااوران کی سرکوبی کرکے خلقِ خداکوان کے چنگل سے نجات دی۔ان مظلوم وبے بس انسانوں نے ان کااحسان مانااوردنیا کی قیادت وسیادت ان کے سپرد کی۔ایک طویل عرصے تک مشرق ومغرب میں ان کی حکم رانی قائم رہی۔ان کی حدودِ مملکت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتاتھا۔لیکن جب وہ اس فریضے سے غافل ہوگئے،اسے پس پشت ڈال دیا،ان کی توجہ دوسرے معاملات کی طرف ہوگئے،دنیا کی رنگینیوں نے انھیں مسحور کرلیا،ان کے درمیان دین کے جزئی اور فروعی اموراصل قرار پائے اوران کے اختلاف پران کے درمیان تلواریں نکل پڑیں توان کی قوت پارہ پارہ ہوگئی،ان کاشیرازہ منتشر ہوگیااورذلت ومحکومی ان کامقدّر ٹھہری۔دین نام ہے عقائد،عبادات اور معاملات سے متعلق چند تعلیمات اوراحکام کا۔ان میں سے کچھ بنیادی اور اصولی ہیں توکچھ جزئی اور فروعی۔جس طرح بنیادی امور کوفروعی بنادیناغلط ہے،اسی طرح فروع وجزئیات کواصل سمجھ بیٹھنااوران کوایمان وکفر کی بنیاد قراردینابھی بے اعتدالی اور غلوپسندی کامظہر ہے۔ صحیح رویّہ یہ ہے کہ جس عقیدہ اور عمل کاجومقام ہواسے وہی مقام دیاجائے اوراس میں ادنیٰ سی بھی کمی بیشی نہ کی جائے۔دین کی بنیادی تعلیمات قرآن وحدیث میں کھول کھول کربیان کردی گئی ہیں اوراللہ کاشکر ہے کہ امت کی غالب اکثریت ان پر متفق ہے اوران کے سلسلے میں ان کے درمیان اتحاد پایاجاتاہے۔دین کے جواحکام فروعی نوعیت کے ہیں،ان میں امت کے اہلِ رائے ودانش کے درمیان اختلافات موجودہیں اورایساہونافطری ہے۔اختلاف اگرفطری دائرے میں ہوتویہ مذموم نہیں ہے،بلکہ یہ افرادِامت کے حق میں بہتر ہے،کیاں کہ اس سے فکر و عمل کی راہیں کھلتی ہیں،احکامِ شریعت پر عمل کرنے میں آسانیاں پیداہوتی ہیں اورایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کاجذبہ پیداہوتاہے۔ ضروری ہے کہ امت کایہ شعور بیدار کیاجائے کہ وہ اتحاداوراختلاف کے حدودسے آشناہو۔جن معاملات میں اختلافی آرا کی گنجائش ہوان میں سب کو ایک رائے پر جمع کرنے کی کوشش نہ کی جائے،بلکہ ہرایک کواپنی اپنی رائے کی مطابق عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔اس کاایک طریقہ یہ ہوسکتاہے کہ افرادِامت کے درمیان اتحاد کے بنیادی نکات کوخوب ابھار کرپیش کیاجائے۔ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کی جائے کہ جب وہ سب اللہ واحداوراس کے تمام رسولوں پرایمان رکھتے ہیں،ان کادین ایک،ان کاقرآن ایک،ان کی منفعت اوران کانقصان ایک،توپھر وہ باہم افتراق وانتشار کاشکار کیوں ہوں۔

امت کے درمیان اتحادواتفاق پیداکرنے کاایک ذریعہ یہ ہوسکتاہے کہ اس کے تمام افراد کوایک مشن سے جوڑدیاجائے۔ مشن کی وحدت ان کے اختلافات کوختم کردے گی یاان میں بڑی حدتک کمی آجائے گی۔وہ سب مل کراس مشن کے لیے فکرمند ہوں گے،اس کے لیے تگ ودوکریں گے،اسے کام یاب کرنے کی جدّوجہد میں مصروف ہوں گے،اس راہ میں آنے والی رکاوٹوں کودور کرنے کی تدابیر اختیار کریں گے،اس راہ میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے۔ایساکرنے سے ان میں دوریاں کم ہوں گی،ان کے درمیان بغض ونفرت کاخاتمہ ہوگااوراتحادواتفاق کوفروغ ملے گا۔امت مسلمہ کا فرض منصبی قرآن کی اس آیت میں بیان کیاگیاہے: وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡ عمران:104) ” تم میں کچھ لوگ توایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جونیکی کی طرف بلائیں،بھلائی کاحکم دیتے رہیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔جولوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔“ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کواس آیت میں امت کی ذمے داری قرار دیاگیاہے۔یہ ذمے داری پوری امت کی ہے یااس کے چندافراد کی؟اس سلسلے میں علماء کااختلاف ہے۔بعض اس کام کوتمام افرادِامت پر فرض عین قرار دیتے ہیں اور بعض فرضِ کفایہ کہتے ہیں،

یعنی اگر چند افراد اس کام کو انجام دیں تو بقیہ سب سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔اس صورت میں بھی پوری امت پر اس کی فکر رکھنا اور اس کے لیے ایک گروہ کو تیار کرنا لازم قرار پاتا ہے۔(اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف' معروف و منکر'، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی) ۔اگلی آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ(آل عمران: 105) ''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ سخت سزا پائیں گے۔'' امت کو دعوت الی اللہ کا حکم دینے کے فوراً بعد انھیں اختلاف و تفرقہ سے بچنے کی تاکید کی جارہی ہے۔اس سے جہاں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر امت دعوت کے کام سے پہلو تہی برتے گی تو اس کے درمیان اختلافات ابھر آنا عین متوقع ہے، وہیں اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے اگر امت کے درمیان اختلافات موجود ہوں تو کارِ دعوت کی انجام دہی کے ذریعے ان اختلافات کو ختم کیا اور ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ناظم المعهد الاسلامی العالی حیدرآباد و سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے ایک مضمون میں بجا طور پر لکھا ہے: ''انسان کے سامنے جب کوئی اہم کام نہیں ہوتا تو وہ غیر اہم کام میں الجھ جاتا ہے۔اس کی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے جب کوئی مثبت اور تعمیری میدان مہیّا نہیں ہوتا تو وہ منفی اور تخریبی کاموں 8 میں لگ جاتا ہے۔ مسلمانوں سے ایک بہت بڑا فریضہ دعوتِ دین کا متعلق ہے کہ وہ برادرانِ وطن تک اللہ کے دین کو پہنچائیں اور ادیانِ باطلہ کی ایسی خوب صورتی کے ساتھ تردید کریں جس سے اختلاف و نفرت پیدا ہونے کے بجائے لوگوں میں قبولیت کا جذبہ بیدار ہو۔یہ بات ممکن بھی ہے اور جو لوگ تھوڑا بہت اس کام کو کر رہے ہیں اس کے نتائج بڑے ہی بہتر اور امید افزا سامنے آرہے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے باہمی اختلافات میں پہلو تہی سے کام لیں اور اختلاف بڑھانے والی باتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دعوتِ دین کی طرف متوجہ ہوں تو ان کو اپنی کاوشوں اور صلاحیتوں کے استعمال کے لیے ایک بہتر میدان مل جائے گا، ان کی قوتیں صحیح سمت میں خرچ ہوں گی اور اس سے ان شاءاللہ اس ملک کی تاریخ میں ایک نیا انقلاب کروٹ لے سکتا ہے۔''